عنیزین ایدال

رنگ باز

digest novels lovers group

باہر نیلے آسمان پہ سفید روئی کے گالوں جیسے بادلوں نے قبضہ کر کے موسم کو خوب صورت بنا دیا تھا۔ وہ کھانا تیار کر چکی تھی، جب اچانک ہی اس کی ساس نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے سوجی کے حلوے کی فرمائش کر ڈالی تھی۔

"بہو! سب گھر پہ ہیں۔ اور موسم بھی اچھا ہے۔ سوجی کا حلوہ بھی بھون لو۔" ہانڈی کے ڈھکن کو اٹھاتے ہوئے اس کی ساس نے پاس کھڑی ماورا کی طرف دیکھا۔ جو ہاتھ میں ہرا دھنیا لیے سالن میں ڈالنے کے لیے کھڑی تھی۔ اس کی ساس نے ماورا کے سامنے اپنے ہاتھ کو بڑھایا۔ تو ماورا نے ہرے دھنیے کی پیالی کو اپنی ساس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور خود "جی اچھا" کہہ کر کیبنٹ سے حلوے کا سامان نکالنے لگی۔

ہرا دھنیا سالن میں ڈالنے کے بعد انہوں نے ہانڈی پر ڈھکن رکھا اور خود دروازے کی سمت بڑھ گئیں۔ ماورا نے پلٹ کر اپنی ساس کی جانب دیکھا، پھر ہولے سے سر جھٹک کر سوجی کے شاپر کو اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"بہو! سلاد اور چٹنی بھی تیار ہے ناں۔" اس کی ساس پلٹ کر اس سے استفسار کر رہی تھیں۔

"جی تیار ہے۔" ماورا نے تابعداری سے اثبات میں سر کو ہلاتے ہوئے کہا۔

وہ سب ہی گھر والے اس وقت لاؤنج میں محفل سجائے بیٹھے تھے۔ ویک اینڈ تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی شادی شدہ نند بھی آئی ہوئی تھی۔

ماورا اب ایک طرف کڑاہی میں سوجی بھون رہی تھی تو دوسری طرف، اس نے چاشنی کو چولہے پہ چڑھا رکھا تھا۔ کچھ ہی دیر میں سوجی کے بھوننے کی دھیمی دھیمی خوشبو کچن سے نکل کر لاؤنج میں پھیلنے لگی تھی۔

"اتنا سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم نے جیسا قیصر کی مرتبہ کیا تھا اس بار بھی ویسا ہی کریں گے۔" صبا کے بولنے کی آواز کچن میں موجود ماورا کے کانوں سے ٹکرائی تو لاشعوری طور پر ماورا کے ہاتھ لمحے بھر کے لیے رکے تھے۔

"امی! انسان کو زندگی گزارنے کے گر آتے ہوں۔ تو سمجھ لیں انسان کی زندگی آسان ہے۔ اب آپ خود ہی ماورا اور قیصر کو دیکھ لیں کیسی خوش گوار زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ سارے چونچلے تو بس شادی سے پہلے کے ہوتے ہیں۔ ایک بار شادی ہو جائے تو پھر نئی باتوں اور نئے رشتوں کو سنبھالنے میں ہی اتنا مصروف ہو جاتا ہے کہ پرانی باتیں خود بخود محو ہو جاتی ہیں۔

"رشتہ بہت اچھا ہے۔ نبیل کے تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔ بس جو باتیں ہم نے پہلے کی تھیں وہی باتیں اب کریں گے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔" صبا نے جیسے حقیقہ بیگم کی ساری فکرمند کو لمحوں میں لپیٹ کر رکھ دیا تھا۔

"پھر بھی ہماری پہلے بھی رشتے داری ہے، یہ نا ہو کہ کوئی بدمزگی ہو جائے۔"

حقیقہ بیگم ابھی بھی تذبذب کا شکار تھیں۔ اس بار صبا کی مدد کے لیے قیصر نے اپنے فون کی اسکرین



سے سر اٹھایا اور ماں کی طرف دیکھا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے امی!" صبا یہ سارے رسم و رواج تو شادی سے پہلے اور رشتہ طے کرنے کے دوران ہوتے ہیں۔ ایک بار دلہن رخصت ہو کر گھر آجائے اور اسے تحفے میں وہی دیا جائے جو میں نے ماورا کو دیا تھا۔

یقین کریں بولنے کے لیے پیچھے کوئی لفظ بچتا ہی نہیں۔ آخر کو جو تحفہ میں نے ماورا کو دیا تھا۔ وہ کوئی عام تحفہ تو نہیں تھا۔"

قیصر نے فون ۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بات کے اختتام پہ، ہولے سے قہقہہ لگا کر ماں اور صبا کی طرف دیکھا۔ اور پھر محفل کشت زعفران بن گئی تھی۔ لیکن جانے کیوں کچن میں چولہے کے سامنے کھڑی ماورا کی آنکھوں کے سامنے دھند سی چھانے لگی تھی۔ کچن اور لاؤنج سے متصل کھڑکی، ماورا کو لاؤنج میں بیٹھے افراد کے لہجوں اور لفظوں کے ساتھ ساتھ چہرے کے استہزائیہ تاثرات کو بخوبی دیکھنے میں مدد دے رہی تھی۔

دفعتاً عتیقہ بیگم کی نظر، لاؤنج کی کھڑکی سے ہوتی ہوئی کچن میں کھڑی ماورا کی طرف اٹھی تھی۔ انہوں نے فوراً ہی اپنی تینوں اولادوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ تینوں ہی اپنی اپنی ہنسی کو ضبط کرتے ایک بار پھر فلک شگاف قہقہے لگا رہے تھے۔

پھر وہی بلند آوازیں، اس نے آنکھوں کے سامنے چھائی دھند کو زور سے اپنے دوپٹے کے پلو سے رگڑا۔ اور ابلتے ہوئے چائنی کے پانی کو جیسے ہی کڑاہی میں انڈیلا تو گرم گرم حلوے کے چھینٹے اڑ کر اس کے ہاتھ سے ٹکرائے تھے۔

"سی۔" ماورا نے جلدی سے دیگچی کو شیلف پہ رکھا اور اپنے سرخ ہوتے ہوئے ہاتھ کی بند کو ڈبڈبائی نظروں سے دیکھا۔

لیکن یہ تکلیف تو اس تکلیف کے سامنے بہت کم [illegible] ماورا نے [illegible] آنچ کو کم کیا اور چمچہ پکڑ کر ہلانے کی کوشش کی تھی۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ تھی یا پھر آنسوؤں کے باعث دھند کا تصور تھا۔ چمچہ اس کے ہاتھ میں آنے کی بجائے زمین بوس ہو گیا تھا۔

"ارے ماورا کیا کر رہی ہو؟"

عتیقہ بیگم کہتے ہوئے کچن میں داخل ہوئیں۔ پھر ان کی نظر ماروا پہ پڑی جو زمین پہ پڑے چمچے کو اٹھا رہی تھی۔

"بس تم لڑکیوں کا یہی تو مسئلہ ہوتا ہے۔ ذرا سا ایکسٹرا کام کیا کہہ دیا تم نے تو....."

عتیقہ بیگم بڑبڑاتے ہوئے آگے آئیں۔ اور زور سے چولہے بند کیا پھر جیسے ہی خشمگیں نظروں سے ماورا کی طرف دیکھا۔ تو کی ان کی نظر اس کے سرخ ہاتھ پر پڑی تو ان کی بڑبڑاہٹ فوراً ہی بند ہو گئی۔

"پھر ہاتھ جلا لیا۔ کوئی تو کام ڈھنگ سے اور دھیان سے کر لیا کرو ماورا۔"

کہتے ہوئے عتیقہ بیگم پلٹیں اور چمچہ میں گھی لے آئیں۔ خود اپنے ہاتھ ماورا کے جلے ہوئے ہاتھ پہ گھی لگایا۔ جانے کیوں آنسو آنکھوں سے قطار در قطار نکلے چلے آرہے تھے۔

"ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ تم تو بچوں کی طرح رونے ہی لگ گئیں۔" عتیقہ بیگم نے مسکرا کر کہا اور روتی ہوئی ماروا نے ان کی طرف دیکھا۔ اس کی بے تاثر سی نگاہوں سے عتیقہ بیگم کو عجیب سا احساس ہوا تھا۔

"تم ایسا کرو، جاؤ اپنے کمرے میں جا کر آرام کر لو۔ میں کھانا نکال لوں گی۔"

عتیقہ بیگم نے دل ہی دل میں صبا کو ہزار صلواتیں سناتے ہوئے عام سے لہجے میں ماورا سے کہا تھا۔

کوئی اور وقت ہوتا تو شاید ماورا ان کی بات نہیں مانتی۔ لیکن اس وقت وہ خود بھی [illegible] نظروں کے سامنے [illegible] جانا چاہتی تھی یا شاید وہ اس وقت ان سب کی شکلیں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ یہی وجہ تھی وہ سر کو اثبات میں ہلاتے عتیقہ بیگم کے سامنے

سے ہٹ کر کچن کا دروازہ پار کر گئی تھی۔

☆☆☆

کمرے میں آ کر گرنے کے انداز میں اپنے بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھے فریم میں موجود اپنی اور قیصر کی شادی کی تصویر کو دیکھتے ہوئے ماورا سوچے جا رہی تھی۔

"انسان کو ٹرکس آنی چاہیے۔ تو کیا نہیں ہو سکتا۔" یہ جملہ قیصر کا من پسند جملہ تھا۔ جسے وہ دن میں کئی بار بولتا تھا۔

"ٹرکس میں اور دھوکہ دینے میں بہت فرق ہوتا ہے مسٹر قیصر..... یہ ٹرکس نہیں یہ وہ دھوکہ ہے جو ہم کسی اور کو نہیں بلکہ خود کو عمر بھر دیتے رہتے ہیں۔

اس دھوکہ دہی کو اپنی چالاکی سمجھتے ہیں۔ یہ گر تب تک کارگر ثابت ہوتا ہے۔ جب تک کوئی ہمیں اندر سے جھنجھوڑ نہ دے۔ اور جس دن ایسا ہوتا ہے اس دن سے ایک بار ضمیر پہ محسوس ہونے لگتا ہے اور پھر ہر بار ہر ساعت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس پہ بار کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اور ضمیر پہ بوجھ کو لیے جینا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بہت زیادہ....."

ماورا بڑبڑا رہی تھی اور پھر پشت کے بل بیڈ پر گر گئی تھی۔

ابھی کون سا برسوں بیت چکے تھے جو وہ سب بھول جاتی۔ نہیں جو کچھ ہوا تھا اس کے لیے برسوں بھی کم تھے۔ آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر کنپٹیوں سے ہوتے ہوئے، اس کے بالوں میں گم ہوتے جا رہے تھے۔ ماضی کا ہر لمحہ اب مجسم ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے آن کر ٹھہر رہا تھا۔

کتنی ہی بار اس نے خود کو ان لمحوں کی قید سے آزاد کروانے کی کوشش کی تھی..... لیکن ماورا نے بے چینی سے کروٹ لی تھی اور پاس پڑے تکیے کو اٹھا کر اپنے چہرے پہ رکھ لیا تھا۔ اسے یاد آ رہا تھا۔ اسے ایک ایک بات یاد آ رہی تھی۔ وہ سب، جب اس دن وہ کالج سے گھر لوٹی تھی اور۔

☆☆☆

"السلام علیکم!" گھر میں داخل ہوتے ہی ماورا نے اونچی آواز میں سلام کیا اور لاؤنج کے صوفے پہ اپنے کندھے پہ لٹکتے ہوئے بیگ کو، اچھال کر گرایا۔ اور خود بھی دھم کے انداز میں صوفے پہ بیٹھ کر اپنی گردن کو، صوفے کی بیک پہ ٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کچن سے نکلتی آصفہ بیگم کو تو ماورا بیٹی کے انداز دیکھ کر غصہ آ گیا تھا۔

"ماروا۔" تیکھی انداز میں کہتی ہوئی آصفہ بیگم بیٹی کے قریب آ گئی تھیں۔

"سچ میں امی! میں نے سلام کیا تھا۔ لیکن شاید آپ کچن میں تھیں تو آپ نے....."

ماں کو شعلہ بار نظروں سے، اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا تو ماورا جلدی سے بول اٹھی تھی۔

لیکن پھر اگلے ہی لمحے، ماں کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو جلدی سے اپنے اوندھے پڑے بیگ کو گھسیٹ کر اپنے پاس کر لیا۔

"پتا نہیں تم کب بڑی ہو گی ماروا۔" آصفہ بیگم کے لہجے میں جہاں بھر کی بے چارگی در آئی تھی۔

"امی! اتنی بڑی تو ہو گئی ہوں۔ ابھی بھی آپ کہہ رہی ہیں۔ میں کب بڑی ہوں گی۔" کہتے ہوئے ماورا ہنسنے لگی تھی۔ اسے یوں ہنستا دیکھ کر آصفہ بیگم کے لب بھی مسکرانے لگے تھے۔

"تم کبھی نہیں سدھر سکتیں۔" انہوں نے ایک محبت بھری نظر بیٹی کے چہرے پہ ڈالی۔ اس سے پہلے کہ ماورا ان کی اس بات کا جواب دیتی کمرے سے نکلتے ہوئے امان صاحب کے کانوں سے اپنی شریک حیات کا فقرہ ٹکرایا تھا۔

"ارے بھئی بیگم! میری بیٹی کے معاملے میں زیادتی مت کیا کریں۔ میری اتنی پیاری اور فرماں بردار بیٹی ہے اور آپ ہیں کہ اسے ہر وقت ڈانٹتی ہی رہتی ہیں۔" امان صاحب نے کہہ کر ماورا کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا تو ماورا جلدی سے بھاگ کر باپ کے گلے لگ گئی تھی۔

"بس آپ کے اسی لاڈ پیار کا نتیجہ ہے جو میڈم کی زندگی میں ڈسپلن نام کی کوئی چیز نہیں۔" آصفہ بیگم کو ہمیشہ کی طرح امان صاحب کے بے وقت لاڈ پہ غصہ آیا تھا۔

"اچھا اب ہمیں کھانا ملے گا یا پھر ہمیں ڈائٹ پر ہی گزارا کرنا پڑے گا۔" اس سے پہلے کہ آصفہ بیگم کچھ بھی کہنے کے لیے اپنا منہ کھولتیں۔ امان صاحب نے کھانا لگانے کی فرمائش کر ڈالی تھی۔

"لگا رہی ہوں میں کھانا اور اپنی اس لاڈلی کو بھی کہہ دیں یونی فارم چینج کر کے فریش ہو کر آجائے۔" آصفہ بیگم نے امان صاحب کے کان میں پھسر پھسر کرتی ماورا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور خود کچن کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

"شکر ہے پاپا۔ آپ ٹھیک ٹائم پہ آگئے۔ ورنہ تو آپ کی ہٹلر بیگم نے مجھے ڈائٹ ڈائٹ کر ہی مار دینا تھا۔" آصفہ بیگم کے نظر سے ہٹتے ہی ماورا نے سکون کا سانس لیا۔ امان صاحب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

"اچھا اب باقی باتیں بعد میں جلدی سے فریش ہو کر آجاؤ۔ ورنہ اپنی ممی کا پتا ہے ناں۔"

امان صاحب نے اسے ڈرایا تو وہ جلدی سے اثبات میں سر ہلاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

زندگی سبک روی سے گزر رہی تھی۔ جب فیصل بھائی کے سسرال ـــــ سے ایک رشتہ ماورا کے لیے آیا تھا۔ امان صاحب نے رشتے کی بات کرنے سے پہلے ہی فیصل بھائی کو منع کر دیا تھا۔

"بھئی ماورا بہت چھوٹی ہے۔ اور ابھی پڑھ رہی ہے۔ اس لیے تم نمرتی سے معذرت کر لو۔"

امان صاحب نے بہو کا نام لیتے ہوئے کہا۔ فیصل اپنی فیملی کے ہمراہ اومان میں مقیم تھا۔

"لیکن بابا! رشتہ بہت اچھا ہے۔ نمرتی کی خالہ نے خود نمرتی سے بات کی ہے۔ چھوٹی سی فیملی ہے اور....." اس سے پہلے کہ فیصل اپنی بات مکمل کرتا۔ امان صاحب نے اس کی بات کو پھر سے کاٹ دیا تھا۔

"بیٹا کہا ہے ناں۔ ابھی ماورا بہت چھوٹی ہے۔" امان صاحب کے کہنے پہ فیصل نے خاموش ہونا ہی بہتر سمجھا تھا۔ لیکن بعد میں وہ یہ بات ماں سے کہے بنا نہیں رہ سکا تھا۔

"رشتہ بہت اچھا ہے امی! ہماری ماورا اپنے پاس رہے گی۔ دیکھے بھالے لوگ ہیں۔ نمرتی کی سگی خالہ ہیں۔ آپ پاپا کو سمجھائیں۔ گھر بلانے میں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ آپ انہیں چاہے پہ انوائٹ کر لیں۔ اگر آپ کو اور پاپا کو وہ لوگ اچھے لگیں۔ تو بات آگے بڑھائیں گے۔ نہیں تو انکار کر دیں گے۔" فیصل نے بدبرانہ انداز میں ماں سے کہا تھا۔

"بیٹا! تمہاری بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن....."

"امی! ماورا کا خاندان میں کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یا تو سب عمر میں بہت بڑے ہیں۔ جن کی شادیاں ہو چکی ہیں یا پھر سب بہت چھوٹے ہیں۔ حقیقت پسندی سے بات کریں گے تب ہی اچھا ہوگا۔ ابھی تو چھوٹی چھوٹی ہی کہہ کر ٹائم گزار دیں اور پھر بعد میں پریشان ہوتے پھریں گے۔ آپ پلیز پاپا سے بات کریں۔" فیصل کی بات میں دم تھا۔ آصفہ بیگم خود بھی سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔ اور اگر رشتہ اچھا ہے تو پہلے رشتہ طے کرنے اور منگنی کرنے میں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ شادی ہم ماورا کی پڑھائی مکمل ہونے کے بعد بھی کر سکتے ہیں۔" آصفہ بیگم بیٹے کی بات سے متفق نظر آرہی تھیں۔

"ٹھیک ہے میں تمہارے پاپا سے بات کرتی ہوں اور ایک دو دن میں تمہیں بتاتی ہوں۔" آصفہ بیگم نے کہتے ہوئے گفتگو کو سمیٹا تھا اور پھر فیصل سے بہو اور پوتے کی بات کرنے کے بعد انہوں نے کال بند کر دی تھی۔

☆☆☆

"وہ لوگ ہمارے گھر آنا چاہتے ہیں۔ بلانے

میں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ اور پھر فیصل ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔ اکثر والدین چھوٹی ہے چھوٹی ہے کہہ کر اپنی بیٹیوں کے لیے آنے والے رشتوں کو انکار کردیتے ہیں۔ اور پھر بعد میں خود ہی سب سے زیادہ پریشان ہوتے ہیں۔"

آصفہ بیگم نے شوہر کے سامنے چائے کا کپ رکھتے ہوئے سمجھانے کے سے انداز میں کہا اور خود بھی ان کے سامنے پڑے صوفے پہ آ بیٹھی تھیں۔

"ابھی ماورا انٹر ڈائیر میں ہے۔ اور....." امان صاحب نے ذرا سا جھک کر چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یہی تو میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔ بچے جتنے بھی بڑے ہوجائیں ماں باپ کی نظروں میں وہ بچے ہی رہتے ہیں۔ ماشاء اللہ ہمارا بیٹا خود اب ایک بچے کا باپ ہے۔ لیکن ہم بھی فیصل کے بارے میں بات کرتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ فیصل تو ابھی بچہ ہے۔ یہی تو ماں باپ کا دل اور فطرت ہوتی ہے۔ بیٹیوں کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور ماورا کے بارے میں تو....."

آصفہ بیگم بات کرتے کرتے رکی تھیں۔ بیٹی کے ذکر پہ محبت سے ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

"یوں لگتا ہے ابھی کل ہی کی تو بات ہے جب نرس نے ننھی سی پری کو میری گود میں دیا تھا۔ جب ہماری بیٹی نے پہلا قدم اٹھایا تھا۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے۔ یہ نہ کچھ دنوں کی بات ہے اور نہ ہی چند گھنٹوں پہلے کی۔

وقت کے تھال میں لمحے سکے بن کر گرتے ہوئے دن سالوں میں تبدیل ہوچکے ہیں۔ ہماری بیٹی انیس برس کی ہوچکی ہے۔ گزرتا وقت تیزی سے گزرا یا پھر پلک جھپکتے یہ نہیں پتا مجھے، بس یہ پتا ہے انیس برس بیت چکے ہیں۔

ہماری بیٹی کو ہمارے آنگن میں اترے اور ریت رواج کے مطابق، ہماری مینا کی رخصتی کا وقت قریب ہے۔ چاہے دو سال بعد ہی کیوں نہ ہو تو کیا بہتر نہیں بیٹی کے لیے آنے والے پہلے رشتے کو بنا دیکھے انکار کرنے کے بجائے دیکھ لیا جائے۔"

آصفہ بیگم نے اپنی بات کے اختتام پہ امان صاحب کی طرف دیکھا جو ہاتھ میں موجود کپ کو لبوں سے لگانا بھول کر اپنی شریک حیات کی باتیں سن رہے تھے۔

"آں ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو۔" امان صاحب ان کے پکارنے پہ چونکے تھے اور اب آصفہ بیگم کی باتوں سے متفق ہوکر سر اثبات میں ہلا رہے تھے۔

"تو ٹھیک ہے۔ میں رات میں ہی نمرہ سے کہتی ہوں اپنی خالہ سے کہہ دے۔ وہ جب چاہیں ہمارے گھر آسکتی ہیں۔"

آصفہ بیگم نے کہتے ہوئے اپنے سامنے رکھے چائے ٹھنڈی ہوکر اپنا اصل ذائقہ کھوچکی تھی۔

"یہ چائے تو ٹھنڈی ہوچکی ہے۔"

آصفہ بیگم نے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ میں موجود کپ کی طرف اشارہ کیا تو امان صاحب نے بھی اپنا کپ ٹیبل پر واپس رکھ دیا تھا۔

"میں نئی چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

آصفہ بیگم نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا امان صاحب نے سر کو ہلاتے پہ اکتفا کرتے ہوئے اپنے سامنے رکھے اخبار کو پھیلا کر اپنی نظروں کے سامنے کرلیا تھا۔

☆☆☆

نمرہ کی خالہ اپنی بیٹی اور نمرہ کی والدہ کے ہمراہ، ان کے گھر اسی اتوار کو پہنچ چکی تھیں۔

"میں رک نہیں پائی جیسے ہی نمرہ نے مجھے آپ کی طرف سے گرین سگنل کا اشارہ دیا تھا۔ میں نے فوراً ہی اپنی بیٹی کو اس کے سسرال سے آنے کا پیغام بھجوا دیا تھا۔"

وہ خاتون کہتے ہوئے آصفہ بیگم کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ آصفہ بیگم نے مسکرا کر سر ہلایا۔ پھر بولیں۔

"رشتہ ہونا یا نہ ہونا یہ تو قسمت کی بات ہے۔ باقی تو سب چلتا ہی رہتا ہے۔"

"یہ بات تو آپ نے ٹھیک کہی۔ رشتہ ہونا تو مقدر کی بات ہے لیکن مجھے یقین ہے۔ میرے بیٹے سے ملنے کے بعد آپ انکار نہیں کر پائیں گے۔ ماشاء اللہ سے میرا بیٹا پڑھا لکھا اور برسر روزگار ہے۔ شکل وصورت میں خوب صورت ہے یعنی آپ کی بیٹی کے لحاظ سے رشتہ مناسب ہے۔

آپ چاہے جتنا مرضی سوچنے اور سمجھنے کا ٹائم لے لیں۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔ لیکن بس اپنی ماورا کو مجھے دے دیں۔ مجھے ماورا بہت اچھی لگتی ہے۔"

وہ خاتون ماورا کی تعریفیں کر رہی تھیں۔ اور پھر اس کے بعد ہی عتیقہ بیگم نے گھر کی دہلیز پکڑ لی تھی۔ اور پھر عتیقہ بیگم نے ٹھیک ہی تو کہا تھا۔

قیصر میں کسی بھی چیز کی کمی نہیں تھی۔ پانچ ماہ کے دوران آصفہ بیگم اور امان صاحب نے ہر لحاظ سے جانچ پڑتال کرنے کے بعد ہی عتیقہ بیگم کو رشتے کے لیے ہاں کہی تھی۔

ماورا جو اس سارے عرصے میں سوائے ایک بار عتیقہ بیگم کے سامنے آنے اور ہر بات سے انجان اپنی پڑھائی میں مصروف تھی۔ آصفہ بیگم کے بتانے پہ سٹپٹا سی گئی تھی۔

"رشتہ، شادی۔" ماورا کو ابھی ان میں سے کسی بھی بات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اب ناراضی بھری نظروں سے ماں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں نے تمہارے پاپا اور بھائی نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ قیصر ہر لحاظ سے تمہارے لیے پرفیکٹ ہے۔ اور تم دیکھنا تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔"

آصفہ بیگم نے بیٹی کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے مستقبل کی پیشن گوئی کی لیکن ماورا تو رونے لگی گئی۔ اسے یوں روتا دیکھ کر آصفہ بیگم کے دل میں کتنے ہی خدشوں نے سر اٹھایا۔

"ماورا کیا تم کسی اور کو پسند....." آصفہ بیگم اپنی بات بھی مکمل نہیں کر پائی تھیں کہ ماورا نے زور زور سے اپنے سر کو نفی کے انداز میں ہلایا تھا۔

"تو پھر....." آصفہ کو بیٹی کے رویے سے سخت الجھن ہو رہی تھی۔

"میں آپ کو اور پاپا کو چھوڑ کر کبھی بھی نہیں جاؤں گی۔" ماورا کہتے ہوئے ماں کے گلے لگی تھی۔

"کیا سچ میں یہی بات ہے۔"

"سچ میں امی۔" ماورا نے منہ بناتے ہوئے ناراضی سے کہا۔ اس بار آصفہ بیگم نے منہ بنا کر بیٹھی ماورا کی چٹا چٹ بلائیں لے ڈالی تھیں اور پھر فیصل اور نمرہ کے آنے کے بعد ہی رشتے کو باقاعدہ طور پر قبول کر لیا گیا تھا۔

"بہت بہت مبارک ہو۔" عتیقہ بیگم نے کھوئے والے رس گلے کو منہ میں ڈالتے ہوئے وہاں پہ موجود سب ہی لوگوں سے کہا تھا۔

"آپ کو بھی بہت بہت مبارک ہو۔" آصفہ بیگم نے جواباً کہا۔

"تو بس ٹھیک ہے ابھی منگنی کی ڈیٹ بھی طے کر لیتے ہیں۔" فیصل نے کہتے ہوئے عتیقہ بیگم کی طرف دیکھا۔ جن کے چہرے پہ پھیلی مسکراہٹ واضح طور پر مدھم ہوئی تھی۔

"منگنی جیسے فنکشن کرنے میں ٹائم اور پیسے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ نہیں میرا مطلب ہے اسلام میں تو بس نکاح کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔

یہ دکھاوے کے رسم ورواج تو ہم انسانوں نے بنا رکھے ہیں۔ انسان کی زبان ہی سب کچھ ہوتی ہے۔

ماروا ہماری بیٹی ہے۔" یہ کہتے ہوئے عتیقہ بیگم نے اپنے پاس بیٹھی ماورا کو بڑے پیار سے اپنے ساتھ لگایا۔

اس کے ماتھے پہ بوسہ دے کر اپنے ہاتھ میں موجود، انگوٹھی اتار کر ماورا کی انگلی میں پہنا دی تھی۔

جو اس کی انگلی میں بہت ہی کھلی تھی۔ بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں رنگ پہنتے ہی گھوم گئی تھی۔

"لیجیے آپ کی تسلی کے لیے ہم نے باقاعدہ منگنی کی رسم ادا کردی ہے۔"

عتیقہ بیگم نے کہتے ہوئے سامنے پلیٹ میں رکھی برفی ماورا کو کھلاتے ہوئے کہا اور اپنی طرف حیرت سے دیکھتی ہوئی آصفہ اور امان صاحب کی طرف دیکھا۔ جنہیں اس سب کی توقع ہی کہاں تھی۔

"بات اصل میں یہ ہے، میں ایسی فضول خرچیوں میں اور دکھاوے کے طور پر منعقد کیے گئے فنکشنز سے کہیں زیادہ لڑکی کے اصل حق یعنی حق مہر پر توجہ دوں گی۔ میری بھی بیٹی ہے اور میری طرح ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے۔ اس کی بیٹی کا مستقبل محفوظ ہو۔

اللہ نہ کرے ہمارے رشتے میں کوئی بھی بدمزگی ہو۔ لیکن پھر بھی میں اپنی بہو کے مستقبل کی سیکورٹی پہ زیادہ توجہ دوں گی۔ ماورا کے حق مہر کی بات کریں مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔ کیا ایسی فضول خرچیوں پہ ہم اپنی انرجی ویسٹ کریں۔"

عتیقہ بیگم کے لہجے میں حلاوت تھی۔ مٹھاس تھی۔ آصفہ بیگم اور امان صاحب ہی نہیں وہاں پہ موجود دوسرے رشتہ دار بھی حیرانی سے عتیقہ بیگم کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایسے لوگ بھلا دنیا میں کہاں ملتے ہیں۔ جو اس سوچ کے مالک ہوتے ہوں۔

یہاں تو لوگوں کو حق مہر پہ ناراض ہو کر بارات کو واپس جاتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔ اور عتیقہ بیگم خود اپنے منہ سے..... ماورا کے ماموں، خالہ اور چچا کے چہروں پر خوشی ہی خوشی تھی۔

کھانا انتہائی خوش گوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد چائے، دور شروع ہوا۔ ہنسی باتوں اور قہقہوں کی آواز اندر کمرے میں موجود ماروا کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ جو پچھلے دو گھنٹے سے اپنا سر جھکائے اپنے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کو بے دھیانی میں گھمائے جا رہی تھی۔ وہ بیک وقت دو کیفیات کا شکار ہو رہی تھی۔

وہ خوش تھی کہ سب اتنا اچھا رشتہ ملنے پر بے حد خوش ہیں۔ لیکن ہر لڑکی کی طرح شادی کو لے کر اس کے بہت سارے ارمان تھے۔ اور یہاں تو پہلے ہی مرحلے کو اسلام کی تعلیمات اور کفایت شعاری کی بات کر کے۔ ماورا بے چینی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر ڈھلتی شام کو، اب رات میں مدغم ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"شاید میں کچھ زیادہ ہی منفی سوچ رہی ہوں۔ اتنے اچھے موقع پہ مجھے اداس کر دینے والی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔ اچھے گمان بہت کمال کا کام کرتے ہیں۔"

ماورا بڑبڑاتے ہوئے پلٹی اور اپنی دراز میں رکھی قیصر کی تصویر کو نکال کر دیکھنے لگی تھی۔ اس نے اشتیاق بھری نظر قیصر کے چہرے پر ڈالی تو یوں لگا تصویر میں موجود قیصر کی آنکھوں کی چمک پہلے سے کہیں زیادہ ہو چکی ہے۔

ماورا نے اپنے نچلے ہونٹ کو اپنے دانتوں تلے دبایا، پھر شرما کر قیصر کی تصویر کو دراز میں رکھ کر جیسے ہی پلٹی۔ اپنے عقب میں کھڑی نمرہ بھابھی کو دیکھ کر سٹپٹا ہی گئی۔

"اچھا جی ابھی سے یہ حال ہے کہ چھپ چھپ کر موصوف کو دیکھا جا رہا ہے۔" نمرہ بھابھی نے ماورا کی لرزتی پلکوں تلے براؤن آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔ تو ماورا نے شرما کر اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرے کو چھپا لیا۔

"یہی نہیں وہاں بھی یہی حال ہے۔ یقین کرو قیصر نے میرا سب کے بیچ بیٹھنا محال کر دیا تھا۔ یہ لو تم اس سے بات کر لو۔" نمرہ بھابھی نے کہتے ہوئے اپنا فون ماورا کی سمت بڑھایا۔

"نن..... نہیں بھابھی۔" ماورا نے اپنے دونوں ہاتھوں کو چہرے سے ہٹاتے ہوئے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔ لیکن تب تک نمرہ قیصر کو کال ملا چکی تھی۔

ابھی پہلی بیل بھی پوری نہیں گئی تھی کہ دوسری طرف سے فون اٹھالیا گیا تھا۔

"چلو جی تم دونوں نے تو لگتا ہے اب پہلی محبتوں کو پیچھے چھوڑ دینا ہے۔"

نمرئی نے قیصر کے فوراً ہی کال پک کرنے پہ خفیف سا طنز کیا تھا۔ تو جواب میں قیصر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

اس کے ہنسنے کی آواز اسپیکر سے نکل کر نمرئی کے پاس کھڑی ماورا کے کانوں سے بھی ٹکرائی تھی۔ ماورا کا دل دھڑکا، رخسار گلال ہوئے اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی نمرئی کے کان سے لگا بھی چکی تھی۔

"چلو تم قیصر سے بات کرلو میں باہر مہمانوں کے پاس جارہی ہوں۔" نمرئی عجلت بھرے لہجے میں کہہ وہاں سے جاچکی تھی۔ تو ماورا اپنے نام پہ چونک کر فون کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ جہاں قیصر اس کا نام پکار رہا تھا۔ دل دھڑکنے لگا تھا۔ وہ خاموشی سے قیصر کی باتیں سن رہی تھی۔

وہ بس بیچ میں "تم میری بات سن رہی ہو ناں۔" کہہ کر ماورا سے پوچھتا اور اس کے ہلکی سی آواز میں کہے گئے "جی۔" کو سن کر پھر سے باتوں میں مصروف ہوجاتا۔ اسے بولنے کا بہت شوق تھا۔ اور ماورا کو اسے بولتے سننا اچھا بھی لگ رہا تھا۔ وہ اسے بتارہا تھا۔ اس نے پہلی بار اسے نمرئی کی بارات والے دن دیکھا تھا۔ اور پہلی ہی نظر میں وہ اس کی محبت کا شکار ہوگیا تھا۔

وہ کہہ رہا تھا گھر آنے کے بعد، میں نے اپنی ماں سے کہہ دیا تھا کہ شادی کرنی ہے تو بس اسی لڑکی سے کرنی ہے۔ پھر اس کی ماں کیسے نمرئی سے اس ماہ رشتے کی بات کرتی رہی تھیں۔ لیکن نمرئی تذبذب کا شکار تھی۔ اسے لگ رہا تھا۔ رشتہ ہونے کے بعد اس کے رشتے میں کوئی بدمزگی نہ ہوجائے۔ آخر کو فیصل کی اکلوتی اور چھوٹی بہن کا معاملہ ہے۔ لیکن پھر بار بار کہنے پہ نمرئی نے فیصل سے بات کر ہی لی تھی۔ دو بھائی، ایک بہن اور ماں والد کا انتقال ہوچکا تھا۔ فیصل کے لیے ماورا کے لیے سب سے زیادہ پلس پوائنٹ چھوٹی فیملی تھی۔ بہن کی شادی ہوچکی تھی۔ گھر میں دو بھائی اور ماں، اور پھر قیصر بھی ٹھیک ٹھاک تھا۔ اور یوں محنت کے بعد بالآخر ہمارا رشتہ ہو ہی گیا۔

قیصر کہہ کر ہنسا تو ماورا بھی مسکرادی تھی۔ مزید چند منٹ بات کرنے کے بعد قیصر نے کال بند کردی تھی۔ یہ شاید قیصر سے بات کرنے کا اثر تھا۔ ماورا جو کچھ دیر پہلے تک عجیب سی کیفیات میں گھری تھی۔ اب مکمل طور پر ریلیکس ہوکر دل سے مسکرائی تو پھر مسکراتی ہی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

"اللہ سب ہی بیٹیوں کے نصیب اپنی ماورا کے جیسے کرے۔" مہمانوں کے رخصت ہوجانے کے بعد ماورا کی ممانی نے دل سے دعا دی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ نکاح نامے میں بیس تولے سونا۔ اور وہ بھی لڑکی کے حق مہر کے طور پر۔ آج کے دور میں ایسا کون سوچتا اور کرتا ہے۔" آصفہ بیگم کی بھابھی تو ابھی تک عتیقہ بیگم کی اس بات پہ انگشت بدنداں تھیں۔

"اللہ ماورا کے نصیب اچھے کرے۔" ماموں نے کہتے ہوئے اپنی شریک حیات کو گھورا تھا۔

"ہاں، ہاں اللہ ماورا کو ہر بری نظر سے بچائے۔ میں تو بس ایسے ہی کہہ رہی تھی۔" فریحہ بیگم نے کھسیا کر کہا اور ایک بار پھر آصفہ اور امان صاحب کو مبارک باد دینے لگی تھیں۔ وہ سب بہت خوش تھے۔ اپنے گھر والوں کو خوش دیکھ کر ماورا بھی بے حد خوش تھی۔ شادی کی تاریخ مارچ کے فائنل ایگزامز کے بعد رکھی گئی تھی۔ یعنی ابھی پورا ڈیڑھ سال باقی تھا۔

"ہم اچھی طرح سے ماورا کی شادی کی تیاریاں کرسکتے ہیں۔ اگر عتیقہ آنٹی بیس تولے سونا حق مہر میں لکھوا رہی ہیں۔ تو ہمیں بھی شادی کی تمام تیاریاں شایان شان طریقے سے کرنی چاہئیں۔" فیصل نے ماں اور باپ کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن بیس تولے زیور

کی بات مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ ٹھیک ہے قیصر کی فیملی اچھی خاصی ہے لیکن۔" امان صاحب نے بات کو ادھورا چھوڑا تھا۔

"آپ کو تو بلاوجہ وہم کرنے کی عادت ہے۔ انہوں نے کون سا یہ بات ہمارے سامنے کی ہے۔ بلکہ ہمارے پورے خاندان کے علاوہ اپنے خاندان اور داماد کے سامنے یہ بات کی ہے۔ اور عتیقہ بیگم نے کہا ہے۔ نکاح نامے پہ زیور معجل لکھوائیں گے۔ یہ بات بھی انہوں نے خود کی ہے۔ ہم نے تو ان سے ایسی کوئی ڈیمانڈ نہیں کی۔" آصفہ بیگم کو امان صاحب کی فکرمندی ایک آنکھ بھی نہیں بھائی تھی۔

اسی لیے قدرے تیز لہجے میں بولتی چلی گئیں۔

"ہاں امی! ٹھیک کہہ رہی ہیں بابا۔ ہمیں کسی بھی بدگمانی کو اپنے دل میں جگہ نہیں دینی چاہیے۔" فیصل نے ماں کی بات میں ہاں میں ہاں ملائی تو امان صاحب کندھے اچکا کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

ماورا کالج سے گھر واپس آئی تھی۔ تو آصفہ بیگم، رضیہ کے ساتھ کچن میں مصروف تھیں۔

"کیا ہوا کوئی مہمان آرہا ہے۔" ماورا نے بجی ہوئی ٹرالی کی طرف دیکھتے ہوئے ماں سے سوال کیا۔

"مہمان آرہے ہیں۔ بلکہ آگئے ہیں تمہارے سسرال والے آئے ہیں۔ جلدی سے تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آجاؤ۔" آصفہ بیگم نے مصروف سے لہجے میں بیٹی سے کہا تھا۔

"یہ لوگ پھر آگئے۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی تو فیصل بھائی اور نمرہ بھابھی سے ملنے آئے تھے۔ جب وہ واپس جارہے تھے۔ آج پھر....." جانے کیوں ماورا جی بھر کر بدمزہ ہوئی تھی۔

"ماورا ....." آصفہ بیگم نے بیٹی کو خشمگیں نظروں سے گھورا۔

"میں نے تمہاری ایسی تربیت تو نہیں کی ہے ماورا کہ تم کسی کے آنے پہ بھی ایسے ری ایکٹ کرو۔ وہ بھی اپنے سسرال والوں کے آنے پہ۔"

آصفہ بیگم نے کہا تو ماورا نے فوراً ہی اپنے دائیں کان کو سوری کے انداز میں پکڑا پھر جلدی سے پلٹ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔ ماورا نے فریش ہونے کے بعد کپڑے تبدیل کیے۔ ابھی وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے بالوں کو سنوار ہی تھی جب رضیہ اسے بلانے کے لیے کمرے میں آئی تھی۔

"اچھا میں پانچ منٹ میں آتی ہوں۔" ماورا نے کہہ کر اپنے لمبے بالوں کو باندھا اور آئینے میں اپنا سراپا دیکھا۔ بیڈ پہ پڑے اپنے دوپٹے کو اٹھا کر سر پہ سیٹ کیا اور کمرے سے نکل آئی تھی۔

☆☆☆

"السلام علیکم!" ماورا ڈرائنگ روم کے دروازے پہ ہی جھجک کر رکی تھی۔

"وعلیکم السلام آؤ آؤ وہیں کیوں رک گئیں۔ میرے پاس آکر بیٹھو۔"

عتیقہ بیگم نے کہتے ہوئے اپنے دونوں بازو وں کو بہو کے لیے پھیلا دیا تھا۔ ماورا ہر بار ہی ان کے ایسے محبت بھرے مظاہرے پہ جھجک سی جاتی تھی۔ اس وقت بھی وہ ماں کے اشارہ کرنے پر عتیقہ بیگم اور صبا کے درمیان آبیٹھی تھی۔ چند منٹ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد عتیقہ بیگم نے چائے کا کپ سامنے ٹیبل پہ رکھا اور آصفہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"وہ میں اس لیے آئی تھی کہ میں نے جو رنگ ماورا کو پہنائی تھی وہ اس کے ہاتھ کی انگلی میں بہت کھلی ہے وہ رنگ آپ مجھے واپس کردیں۔ میں ماورا کو دوسری رنگ دینا چاہتی ہوں تاکہ بچی رنگ ہاتھ میں پہنے تو رکھے، کیا فائدہ ہے ایسی رنگ کا جو انگلی میں آئے ناں اور دراز کی زینت بن کر پڑی رہے۔ میری بیٹی اپنے ہاتھ میں رنگ پہنے گی تو خوش تو ہوگی ناں۔" عتیقہ بیگم نے کہتے ہوئے پاس بیٹھی ماروا کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... ہاں ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔"

"ماورا! جاؤ آنٹی کو رنگ لاکر دے دو۔" آصفہ بیگم نے ماورا سے کہا۔

ماورا اپنی جگہ سے اٹھی اور عتیقہ بیگم کی انگوٹھی لا کر ان کی ہتھیلی پر رکھ دی۔

"میں اپنی بیٹی کے لیے اس سے بھی پیاری رنگ لے کر آؤں گی۔"

عتیقہ بیگم نے ہتھیلی پہ بچی رنگ کو اپنی انگلی میں سجاتے ہوئے ماورا سے کہا۔ تو ماورا مسکرا کر سر کو جھکا کر رہ گئی تھی۔ دس، پندرہ منٹ کے بعد عتیقہ بیگم اپنی بیٹی کے ہمراہ واپس جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"ارے اتنی جلدی کیا ہے۔ بیٹھیے ناں۔ کھانا کھا کر جایئے گا۔" آصفہ بیگم نے آداب میزبانی نبھائے تھے۔

"نہیں نہیں مجھے بہت کام ہے۔ ابھی سنار کے پاس بھی جانا ہے اور بھی چھوٹے موٹے بہت سے کام ہیں۔ کھانا پھر کبھی سہی۔ نہیں بلکہ آپ بھی امان صاحب کے ساتھ ہمارے گھر چکر لگا لیجیے گا۔

قیصر تو آپ لوگوں کا دیوانہ ہو گیا ہے۔ آپ کے آنے سے بہت خوش ہوتا ہے۔" عتیقہ بیگم نے آگے بڑھ کر آصفہ بیگم سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

"جی ضرور۔" داماد کے ذکر پہ آصفہ بیگم خوشی سے نہال ہوئی تھیں۔ وہ مہمان کو رخصت کرنے کے بعد واپس آئیں تو رضیہ کچن صاف کرتی ہوئی نکلی۔

"بیگم صاحبہ ایک بات کہوں۔ آپ برا مت منانا۔" رضیہ نے کہا۔

"ہاں بولو۔" آصفہ بیگم نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اپنی گردن پہ ہاتھ رکھا۔ انہیں اپنی گردن کے پٹھے میں کھنچاؤ سا محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ جہاں آپ نے ماورا بی بی کا رشتہ طے کیا ہے ناں۔ یہ لوگ مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔" رضیہ کہتے ہوئے آصفہ بیگم کے پاس قالین پہ آ بیٹھی تھی۔

"نہیں مطلب آپ خود سوچیں، کنجوسی کی حد ہی ہے۔ ہونے والے بہو کی انگلی میں سب کے سامنے اپنی انگوٹھی پہنا دی تھی۔ اور آج وہ لینے کے لیے بھی آ گئیں اور اگر اتنی ہی ضروری تھی ان کے لیے اپنی انگوٹھی تو پہلے ماورا کے لیے رنگ خرید لیتی۔

"اس کے ہاتھ میں وہ انگوٹھی پہنا کر پھر اپنی انگوٹھی مانگ لیتیں۔ اپنی انگوٹھی بھی لے گئیں۔" رضیہ نے جانے کیوں بات کے آخر سے کو منہ ہی منہ میں بدبدانا ضروری سمجھا تھا۔

آصفہ بیگم کے دل میں بھی یہ بات آئی تو تھی وہ بھی الجھی تھیں۔

"جہاں رشتہ داری ہو۔ وہاں چیزوں کو کیا اہمیت دینی۔" آصفہ بیگم نے رضیہ سے کہا تھا۔ مگر دیکھا ڈرائنگ روم کے دروازے پہ کھڑی ماروا انکی طرف تھا۔

سونے چاندی سے بیٹیاں محبت اور عزت سے اپنے گھروں میں بستی ہوتیں تو، سارے امیر لوگوں کی بیٹیاں ہنسی خوشی اپنے گھروں میں رہتیں۔

دلوں میں گنجائش اور محبت ہو تو چھوٹی چھوٹی باتیں خود بخود اگنور ہو جایا کرتی ہیں اور پھر عتیقہ بیگم کہہ کر گئی ہیں۔ وہ سنار کی دکان پہ ہی جا رہی ہیں۔

اس کا مطلب تو یہی ہے ناں۔ وہ خود ماروا کو کہہ گئیں ہیں کہ اس کے لیے رنگ لینی ہے تو وہ ہی لینے گئی ہوں گی۔

"چھوٹی چھوٹی باتوں کو یوں سر پہ سوار کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ اور ویسے بھی رضیہ تم اپنا دماغ ایسی باتوں میں مت چلایا کرو۔ بلکہ اپنے ہاتھوں کو چلایا کرو۔ چلو جلدی سے جا کر ماورا کے لیے روٹی اتار دو۔ میری بچی صبح ناشتا بھی نہیں کر کے گئی تھی۔"

آصفہ بیگم نے کہتے ہوئے دروازے میں کھڑی ماورا کے لیے اپنے دونوں بازوں کو پھیلا دیا تھا۔ ماورا بنا کچھ کہے ماں کی مہربان بانہوں میں سما گئی تھی۔

پھر کتنے ہی دن آصفہ بیگم، عتیقہ بیگم کی آمد کی منتظر رہی تھیں۔ یہ بات تو ان کے دل میں بھی تھی کہ منگنی کے نام پر پہنائی گئی انگوٹھی کے متبادل، دوسری

انگوٹھی ماورا کو دی جانی چاہیے۔ وہ بھی تب جب عتیقہ بیگم خود ماورا کے سامنے کہہ کر گئی تھیں اور جانے کس خیال سے ماورا اور دو تین بار آصفہ بیگم سے انگوٹھی کے بارے میں پوچھ چکی تھی۔

"امی! آنٹی جھوٹ بول کے وہ رنگ لے گئی ہیں۔ رنگ کی بات نہیں ہے۔ وہ تو مجھے ایسی بھی کہیں تو میں دے دیتی۔ وہ تو انہی کی رنگ تھی۔ لیکن....." ماورا کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ اس کا لہجہ بھی بھرایا تھا۔

"اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتے بیٹا۔ ہوسکتا ہے مصروف ہوگئی ہوں گی یا کوئی اور مسئلہ ہوگا۔ میں نے اور تمہارے پاپا نے بہت سوچ سمجھ کر اس رشتے کو ہاں کی ہے۔ تم کیوں فکر کرتی ہو۔"

بیٹی کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے آصفہ بیگم نے تسلی بھرے لہجے میں کہا تھا۔

لیکن وہ بھول گئی تھیں یہ دنیا ہے۔ سات رنگ کی دنیا۔ دنیا کے ہر ماں باپ اپنی بیٹیوں کے نصیب کا فیصلہ کرتے ہوئے ہر طرح کی چھان بین اور تسلی کر لینے کے بعد ہی، اپنی بیٹیوں کے ہاتھ کسی دوسرے کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ پھر بھی کہیں نہ کہیں ہم انسانوں کو پہنچانتے میں، انہیں سمجھنے میں غلطی کر جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح آصفہ بیگم اور امان صاحب کے ساتھ ہوا تھا ہوا یوں تھا کہ.....

☆☆☆

ماورا کی شادی کے دن رکھے جا چکے تھے۔ اس کی شادی سے ایک ماہ پہلے فیصل بھی اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان آچکا تھا۔ ہر چیز ماورا کی پسند کی تھی۔ خوب انتظامات کیے ہوئے تھے کہ جب شادی سے دو دن پہلے عتیقہ بیگم اپنی بیٹی اور چھوٹے بیٹے کے ہمراہ مہندی اور بارات کا جوڑا لے کر ماورا کے گھر آئی تھیں۔

چھوٹے سے اٹیچی کیس کو کھولا گیا۔ ماورا تو اپنی چیزوں کو دیکھتے ہی بے اختیار رونے لگی تھی۔ دونوں سوٹ ہی جانے کہاں سے لائے گئے تھے۔ لہنگے کا تو سب سے زیادہ برا حال تھا۔ ماورا کے ساتھ ساتھ خود آصفہ بیگم کو بھی بے انتہا دکھ ہوا تھا۔

"کچھ تو سوچنا ہے تھا آپ کو۔ ہماری بیٹی کے لیے ایسی چیزیں لاتے ہوئے۔" آصفہ بیگم خود کو کہنے سے روک نہیں پائی تھیں۔

"کیا مطلب؟" صبا کے تیور فوراً ہی بدلے تھے۔

"دیکھیں ہم نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ فضول شوشا میں ہم پیسے خرچ کرنے والے نہیں ہم مسلمان ہیں۔ اور شرعی کاموں پہ زیادہ دھیان دیں گے۔ آپ کی بیٹی کو بیس تولے زیور حق مہر میں دینے کا مطلب آپ جانتی ہیں۔

یعنی تقریباً تقریباً پچیس لاکھ ہم آپ کی بیٹی کی سکیورٹی دے رہے ہیں۔ ظاہری بات ہے۔ حق مہر میں لکھوا رہے ہیں تو دیں گے بھی۔ اب ہم حق مہر کی رقم ادا کر سکتے ہیں یا پھر لاکھوں کے پیسے یوں ہی ضائع کر دیں۔

وہ تو ہم بالکل بھی نہیں کریں گے۔ اور ویسے بھی ماورا نے یہ کپڑے پہن کر ہمارے گھر ہی آنا ہے۔ تو پھر جب ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو آپ بھی اعتراض نہ کریں۔"

صبا نے تیز تیز لہجے میں بولتے ہوئے آصفہ بیگم کو خاموش کروایا تھا۔

آصفہ بیگم نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ لیکن امان صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اپنی شریک حیات کو کچھ بھی بولنے سے منع کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے آپ جو کہہ رہی ہیں۔ ٹھیک ہے۔ مجھے مہمانوں کے سامنے مزید کوئی تماشا نہیں بنانا۔"

امان صاحب نے ساری گفتگو کو سمیٹ لیا تھا۔ ماورا کے سسرال والوں کے جانے کے بعد، آصفہ بیگم نے شکوہ بھری نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔

"یہ خوشی کی بات ہوتی ہے اور وہ لوگ اس بات

کو نہیں سمجھ رہے۔ اپنی دانست میں وہ شرعی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ مطلب سادگی سے....."

"بس آپ بھی رہنے دیں۔ ان کی صفائیاں دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔ اگر شرعی شادی کرنا چاہتے ہیں تو لاکھوں کا سامان لیتے ہوئے منع کیوں نہیں کیا۔ پہناوؤں کے نام پہ اتنے مہنگے سوٹ کیوں لیے اور تو اور قیصر جو بھی پہن کر آئے گا۔ آپ کی طرف سے پہن کر آئے گا۔ یہ کہنے کے بعد ہزاروں روپے کی شاپنگ کرتے ہوئے انہیں اسلام یاد نہیں آیا۔"

آصفہ بیگم کو آج پہلی بار اپنی ہونے والی بہو پہ شدید غصہ آرہا تھا۔ لیکن پھر امان صاحب اور فیصل کے سمجھانے پہ، اوپرے دل سے ہی سہی وہ خاموش ہوگئی تھیں۔

دوسرے خرچوں کے ساتھ ساتھ، آصفہ بیگم ماورا کو اپنے ساتھ لے جا کر اس کی پسند کا لہنگا اور مہندی ایک سوٹ دلوا لائی تھیں۔ ماورا کا لہنگا اور سوٹ فیصل کو اور امان صاحب کو کھاتے ہوئے آصفہ بیگم اپنے دل میں بستے، خدشے کو زبان پہ لانے سے روک سکی تھیں۔

"مجھے نہیں لگتا وہ حق مہر بھی لکھوائیں گے۔" جو وہ کہہ رہے ہیں امان صاحب! ان سے کہیں شرعی شادی کر رہے ہیں تو حق بھی شرعی مقرر کرلیں بلاوجہ کی بدمزگی نہ ہو جائے۔"

آصفہ بیگم نے ہاتھ میں پکڑا سوٹ سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"امی! آپ کیوں ایسے پریشان ہو رہی ہیں۔ اور ٹھیک ہے ناں۔ جہاں سب کچھ ہم نے کیا۔ وہاں لہنگا اور سوٹ بھی خرید لیا۔ آپ خواہ مخواہ ہی پریشان نہیں ہوں۔ اور نہ ہی ہمیں کریں۔"

فیصل کہتا ہوا ماں کے قریب آکر بیٹھا اور انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

بیٹے اور شوہر کے ساتھ ساتھ بیٹی کو پریشان دیکھ کر، آصفہ بیگم نے خود کو سنبھالا دیا اور سب کچھ اللہ کی رضا پہ چھوڑ دیا۔ اب سب رشتہ دار کل یہاں پہنچنے والے تھے۔ ایسے میں اب وہ کیا خود بھی پریشان ہوتیں اور باقی سب کو بھی کرتیں۔

"ماشاء اللہ یہ لہنگا ہماری بیٹی پہ کتنا اچھا لگے گا ناں۔"

سرخ لہنگے کا کام دار دوپٹا اٹھا کر پھیلاتے ہوئے آصفہ بیگم نے کہا۔

"اللہ ہماری بیٹی کو نظر بد سے بچائے۔"

امان صاحب نے دل ہی دل میں کہا اور چہرے کو دوسری طرف جانب کرلیا۔ تاکہ کوئی بھی ان کی آنکھوں میں در آنے والی نمی کو دیکھ نہ پائے۔ بیٹی کو رخصت کرنے کا خیال ہر باپ کو یوں ہی افسردہ کر دیا کرتا ہے۔ امان صاحب نے سوچا اور پھر سر کو جھٹک کر مسکرا کر آصفہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئے، جواب انہیں بیٹی کی چوڑیاں دکھا رہی تھیں۔

☆☆☆

حق مہر وہی مقرر ہوا تھا جو حقیقہ بیگم نے کہا تھا۔ آصفہ بیگم جو دل میں دو دن پہلے کی کھٹاس لے کر بیٹھی تھیں۔ اب دل ہی دل میں خوب شرمندہ ہو رہی تھیں۔ پہلی بار کسی بیٹے کی ماں کا دل اتنا بڑا دیکھا ہے۔ ہال میں موجود سب رشتے دار ستائش بھری نظروں سے حقیقہ بیگم اور ان کے ساتھ آئی ہوئی بارات کو دیکھ رہے تھے۔ ہر کوئی آگے بڑھ کر حقیقہ بیگم سے مل رہا تھا۔ اور ان کے اس فیصلے کو سراہ رہا تھا۔

دلہن بنی ماورا اپنے سسرال والوں کی تعریفیں زبانی سن سن کر نہال ہوتی جا رہی تھی۔ ایسا سسرال واقعی قسمت والوں کو ملتا ہے۔ دل میں جو گلے شکوے تھے وہ سب ختم ہو رہے تھے کچھ دیر کے لیے ہی سہی ماورا نے خود کو بدگمان اور بدظن ہوتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ لیکن اب وہ خود شرمندہ ہو رہی تھی۔

ماورا رخصت ہو کر اپنے سسرال آچکی تھی۔ مختلف رسموں کے بعد اس کی اکلوتی نند نے ماورا کے اردگرد بیٹھی اپنی کزنز کے جھرمٹ کو ہٹایا اور ماورا کو سہارا دیے اس کے کمرے میں لے آئی۔ ماورا خود بھی

بیٹھے بیٹھے بے انتہا تھک چکی تھی۔ صبا نے سہارا دے کر اسے بیڈ پہ بٹھایا اور جلدی سے خود اس کے سامنے آ بیٹھی۔

"ہائے ماورا! تمہاری امی نے کتنی پیاری رنگ دی ہے مجھے۔" صبا نے اپنے ہاتھ میں پہنی رنگ کو اپنی نظروں کے سامنے کیا۔

"امی کے کنگن بھی بہت پیارے ہیں۔ تھینک یو میری پیاری بھابھی۔ تھینک یو سو مچ۔" کہتے ہوئے صبا ماورا کے گلے لگ گئی تھی۔

"اچھا اب تم آرام سے بیٹھو۔ میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے کر آتی اور ساتھ میں قیصر کو بھی اس کے دوستوں کے چنگل سے آزاد کروا لی ہوں۔"

ہنستے ہوئے کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ قیصر کے نام پر ماورا نے شرما کر اپنے سر کو جھکا لیا تھا۔

دروازے پہ کھٹکا سا ہوا تھا۔ آنے والا قیصر ہی تھا۔ ماورا نے شرما کر اپنے سر کو جھکایا۔

☆☆☆

"السلام وعلیکم!" قیصر نے سلام کیا۔ ماورا نے آہستگی سے اس کے سلام کا جواب دیا تھا کہ قیصر ہولے سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"سچ میں یہ اتنی پیاری بیویاں بعد میں کہاں کھو جاتی ہیں۔ اب دیکھو نا تمہارا جواب سننے کے لیے مجھے اپنی پوری توجہ تم پہ مبذول کرنی پڑی ہے۔ اور شادی کے چند ماہ کے بعد....."

قیصر کی بات پر ماورا بھی مسکرائی تھی۔ سر جھکائے جھکائے اس کی گردن میں درد ہونے لگا تھا۔ وہ چاہتی تھی۔ قیصر اسے خود سر اوپر کرنے کا کہے۔ لیکن ماروا کو ایسا کچھ کہنے کا تکلف نہیں کیا۔ بلکہ اس کی بات پر ماورا کا جھکا ہوا سر خود بخود اوپر کی جانب اٹھ گیا تھا۔

"وہ جو حق مہر لکھوایا ہے۔ وہ میں ادا نہیں کر سکتا تم....." قیصر رکا تھا۔

"تم مجھے وہ حق مہر معاف کر دو۔ تم نے مجھے حق مہر معاف کر دیا ہے ناں۔"

اپنی جانب حیرت سے دیکھتی ماورا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے قیصر نے سوال کیا تھا۔ کچھ چبھن کر کے ٹوٹا تھا۔ وہ ابھی اسی بات پہ غور کر رہی تھی کہ جب قیصر اپنی جگہ سے اٹھا اور سائیڈ ٹیبل کی دراز سے ایک کاپی پینسل نکال کر ماورا کے سامنے کھول کر رکھ دی تھی۔ جس پر لکھا تھا ماورا خود اپنی مرضی اور خوشی سے قیصر کو حق مہر معاف کر رہی ہے۔

"تم یہاں سائن کر دو۔" قیصر نے تحریر کے نیچے خالی حصے پہ اپنی انگلی رکھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ جو چند لمحے پہلے ٹوٹا تھا وہ ماورا کا دل تھا۔ جو قیصر کے اس انداز اور بات پہ ٹوٹا تھا۔ اور اب اس کا دل ٹوٹ کر کتنی کرچیوں میں بٹا تھا۔ یہ تو بس ماورا جانتی تھی۔

"کر دو بھی سائن، پھر میں نے ابھی تمہیں منہ دکھائی بھی دینی ہے۔"

قیصر نے خاموش بیٹھی ماورا کو مخاطب کیا تھا۔ اس سچویشن اور اس وقت ماورا قیصر سے کیا کہتی۔ چند گھنٹوں کی دلہن آخر بول بھی کیا سکتی تھی۔ ماورا نے خاموشی سے قیصر کے ہاتھ سے پینسل لی اور سائن کر دیے۔

تھینک یو سو مچ۔ اب ایک بار منہ سے بھی کہہ دو۔ اسلام کی رو سے یہ بھی ضروری ہے ناں۔"

قیصر نے ماورا کے دستخط کو دیکھتے ہوئے ذرا کی ذرا ماروا کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر سے کاپی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں نے آپ کو اپنا حق مہر معاف کیا۔" مشکل سے ہی سہی ماورا نے یہ جملہ ادا کر دیا تھا۔

"تھینک یو۔ یہ ہوئی ناں پیاری بیوی والی بات ایک منٹ میں پہلے اسے سنبھال کر رکھ آؤ۔"

قیصر نے بڑی احتیاط سے کاپی سنبھالی اور اٹھ کر دیوار گیر الماری میں موجود کیبٹ کی دراز میں کاپی رکھ کر لاک لگا کر واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔

''اچھا اب میں تمہیں منہ دکھائی دوں۔ سوچو منہ دکھائی میں کیا ہوگا؟'' ماورا کے ہاتھ تھامتے ہوئے قیصر نے ماورا سے دریافت کیا۔

''مجھے کیا پتا۔''

ماورا نے آہستگی سے کہا۔ ابھی چند لمحے پہلے قیصر نے جو کہا تھا۔ ماورا کو دکھ ہوا تھا۔ اگر اتنا حق مہر دینے کی استطاعت نہیں تھی تو دوسری باتوں کی طرح، یہ بات بھی کلیئر کی جاسکتی تھی اور ویسے بھی یہ بات خود قیصر کے گھر والوں نے کی تھی۔ ان کی طرف سے ایسا کوئی بھی مطالبہ نہیں تھا۔ پھر ایسا ٹوپی ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

''پھر بھی گیس تو کرو۔ میں تمہیں منہ دکھائی میں کیا گفٹ دینے والا ہوں۔'' قیصر نے ماورا کے ہاتھ کو ہلکے سے دباتے ہوئے ضد کی تھی۔

''کوئی رنگ ہوگی۔'' ماورا کو اب قیصر کے انداز سے الجھن ہو رہی تھی۔ اس لیے اپنی جان چھڑانے کے لیے اس نے انگوٹھی کا کہہ دیا تھا۔

''ناں ناں۔'' قیصر نے نفی میں سر کو ہلایا۔

''تمہاری منہ دکھائی میں، میں تمہیں وہ دوں گا۔ جو بہت بہت قیمتی ہے اور کسی نے بھی آج تک اپنی دلہن کو وہ نہیں دیا ہوگا۔''

قیصر گردن کو اکڑائے کہہ رہا تھا۔ اب کی بار ماورا سچ میں الجھی تھی۔

''کیا کوئی ڈائمنڈ رنگ ہے یا پھر ڈائمنڈ سیٹ'' اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

''اچھا چلو میں تمہیں منہ دکھائی دیے ہی دیتا ہوں۔''

قیصر بیٹھے بیٹھے سائیڈ ٹیبل کی طرف جھکا اور ہاتھ ڈال کر سرخ کور میں لپٹا قرآن پاک نکال کا ماورا کی طرف بڑھا دیا۔ فوری طور پر تو ماورا کو سرخ کور میں لپٹی شے کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ الجھی نظروں سے قیصر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ارے بھئی میری طرف دیکھتی رہو گی یا کھول کر بھی دیکھو گی۔''

قیصر کے کہنے پر ماورا نے اپنا حنائی ہاتھ قیصر کی طرف بڑھا دیا۔ اندر سے گولڈن کلر کے کور والا قرآن پاک اس کے ہاتھ میں تھا۔

''اچھا ہے ناں۔'' قیصر پر جوش انداز میں ماورا سے پوچھ رہا تھا۔ کیا کہتی سوائے اپنا سر اثبات میں ہلانے کے۔

''دیکھا ایسی منہ دکھائی کو کسی نہیں ملی ہوگی۔''

قیصر پر جوش انداز میں کہہ رہا تھا۔ ماورا کے پاس بولنے اور کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ جب اگلے دن ماورا کزنز نے اس سے منہ دکھائی کے بارے میں پوچھا تو قرآن پاک کا سن کر سب ہی خاموش ہو گئے تھے۔

''ٹھیک ہے قرآن پاک بھی دیا ہے۔ لیکن ساتھ میں کچھ اور بھی تو دینا چاہیے تھا۔''

ماورا کی کزن نے نمرہ بھابھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تو نمرہ نے فوراً ہی ''مجھے اس معاملے میں مت گھسیٹیں۔'' لاپرواہی سے اپنے کندھوں کو اچکا دیا تھا۔ ماورا سر کو جھکائے اپنی ہتھیلی پہ سجی مہندی کو دیکھتے ہوئے، کتنے ہی آنسو اپنے اندر اتار چکی تھی۔ وہ اپنے والدین کو افسردہ اور اداس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے حق مہر کو معاف کروانے والی بات اپنے گھر والوں سے چھپائی تھی۔

☆☆☆

زندگی شاید ماورا کا ابھی اور بھی امتحان لینا چاہتی تھی۔ یہ اس کی شادی کے ایک ہفتے بعد ہی کی تو بات تھی۔ ماورا اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ اس کی آنکھ کھلی تو پیاس کے شدید احساس نے اسے اٹھ کر بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑا خالی جگ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

''افوہ۔'' ماورا نے جگ کو واپس ٹیبل پہ رکھا۔ تکیے کے پاس پڑے اپنے دوپٹے کو کھینچ کر اور پاؤں میں سلیپر باڑس کر ہی اپنے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی لاؤنج سے اس کے

سسرال والوں کے ہنسنے کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

شاید وہ سب اپنی باتوں اور ہنسی میں اتنا مشغول تھے کہ انہیں ماورا کے دروازہ کھولنے کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

امی! ویسے آپ کا نسخہ اچھا خاصا نمبر لے گیا ہے۔ وہ کیا کہتے ہیں ہینگ لگے نہ پھٹکری رنگ بھی چوکھا آئے۔

مطلب ہم نے پہلے دن ہی حق مہر کے نام پر بیس تولے زیور کا کہہ کر مارا کے گھر والوں کے ساتھ ساتھ پورے خاندان سے بھی واہ واہ سمیٹ لی۔ اب تو ہر کوئی ہمارا گرویدہ بنا ہوا ہے ہر کوئی اب نبیل کو رشتہ دینے کی دوڑ میں شامل ہو گیا ہے۔"

صبا نے کہتے ہوئے ماں کی طرف ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اور ایک بار پھر اپنے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنس پڑی تھی۔

"تم ہنس رہی ہو۔ امی نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔ بیس تولے سونا مطلب....." قیصر نے جیسے جھرجھری لی تھی۔

"ہاں تو امی نے ہی تمہیں اس کا حل بتا بھی تو دیا تھا کہ کمرے میں جاتے ہی سب سے پہلے حق مہر معاف کروانے کی بات کر لینا۔ وہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے جب بے چاری لڑکی نہ ہاں کر سکتی ہے نہ ہی انکار۔ بس وہی کر سکتی ہے جو اس کا مجازی خدا اسے اس وقت کہہ رہا ہوتا ہے۔ اور پھر بتاؤ امی کی بات ٹھیک ثابت ہوئی ناں۔ کر دیے نہ تمہیں ماورا نے سائن۔" صبا کی ہنسی ذرا تھمی تھی۔

"ہاں یہ بات تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" قیصر نے گہرا سانس لیتے ہوئے اپنی کمر کو صوفے کی پشت سے لگایا تھا۔

لیکن تم نے کچھ زیادہ ہی کنجوسی کی حد کر دی تھی۔ چلو ہم نے آگے پیچھے تو اسے کچھ نہیں دیا تھا۔ میں نے تم سے کہا تھا منہ دکھائی کے لیے سونے کی ہلکی سی انگوٹھی لے آنا۔ لیکن تم قرآن پاک لے آئے۔ چلو قرآن پاک کے ساتھ ساتھ تم اسے رنگ بھی دے دیتے۔ آخر کو اس کے ماں باپ نے بھی تو ہمیں اتنا کچھ دیا ہے۔" عتیقہ بیگم نے کہا۔

"ارے امی جانے دے قرآن پاک سے اچھا کیا ہے۔ بس اللہ اللہ خیر صلا۔" قیصر نے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے کہا۔

"انتہا کے کنجوس ہو تم۔" صبا نے قیصر کے بازو پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"امی! اگر اس کے گھر والوں کو پتا چل گیا کہ ہم نے حق مہر معاف....."

قیصر کسی خدشے کے تحت سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ارے ایک بار شادی ہو جائے۔ پھر کوئی فکر کی بات نہیں ہوتی۔ پتا چل بھی جائے تو کیا یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا معاملہ ہے۔ کوئی تیسرا اس میں کچھ نہیں بول سکتا۔"

عتیقہ بیگم نے ہاتھ جھٹکتے ہوئے بیٹے کو تسلی دی اور اندر اپنے کمرے میں کھڑی ماورا، اپنے سسرال اور شوہر کی — ذہنی پستی دیکھ کر واپس پلٹی اور شدت سے رو دی تھی۔

"ہم عقل مند کیسے لوگ ہیں۔ دکھاوے، جھوٹ، دھوکہ دہی کو اپنی طاقت سمجھتے ہیں۔ خود کو عقل مند سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ دوسروں کے جذبات کو پاؤں تلے روندنا اسلامی احکامات کا مذاق بنانا۔ یہ تو جیسے معمول کا حصہ بن گیا ہے۔"

اس دن ماورا کے اندر کتنا کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ اعتبار، یقین، اپنا پن اس نے اس سب سے ہاتھ چھڑا لیا تھا۔ اسے قیصر سے الجھن ہونے لگی تھی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ اس الجھن میں خود کے ساتھ کچھ کر لیتی۔ فیصل بھائی چند دنوں کے لیے اسے اپنے گھر رہنے کے لیے لے آئے تھے۔ گھر آتے ہی اس نے سوچ لیا تھا۔ وہ اب واپس یہاں نہیں آئے گی۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

اس کے قدموں تلے جنت رکھ دی گئی تھی۔ وہ جو قیصر اور اس کے گھر کبھی واپس نہ جانے کا سوچ کر آئی تھی۔ چپ چاپ واپس آ گئی تھی۔ زندگی گزر رہی تھی۔ اب تو اس کی شادی کو بھی دو سال ہونے والے تھے۔ اب گھر میں نبیل کی شادی کا شور اٹھنے لگا تھا۔ یعنی ایک اور ماورا کے ساتھ وہی سب ہوگا۔ جو کل انہوں نے اس ماورا کے ساتھ کیا تھا۔

"لیکن نہیں۔" ماورا اپنے چہرے پہ بکھرے آنسوؤں کو صاف کرتی اٹھ بیٹھی تھی۔

"میں ان لوگوں کو کسی اور کے ساتھ ایسا نہیں کرنے دوں گی۔ اسلام آسانی کا دین ہے۔ جو ہمیں ہر معاملے میں آسانی دیتا ہے۔ لیکن حقیقہ بیگم اور قیصر جیسے لوگ ان احکامات کو بس اپنے مطلب اور فائدے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ نہ تو ان لوگوں کو حق مہر کا مذاق بنانے دے گی۔ اور نہ ہی کسی اور لڑکی کے جذبات کو یوں روندنے دے گی۔"

ماورا دل ہی دل میں سوچتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازہ کھول کر رک باہر کی سمت بڑھ گئی۔ جہاں وہ سب ابھی تک محفل سجائے بیٹھے تھے۔

وہ کمزور نہیں تھی لیکن قیصر کی کنجوسی اور ذہنیت سے وہ وقتی طور پر خود کو کمزور کر گئی تھی۔ لیکن اب .....اب وہ بول رہی تھی۔

انہیں بتا رہی تھی۔ وہ ان سب کی اصلیت جانتی ہے۔ لاؤنج میں بیٹھے سب ہی افراد حیرت سے ماورا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے تو وہم گمان میں بھی نہیں تھا کہ ماورا سب جانتی ہے۔

"جہاں قسمت ہو وہاں رشتے جڑ جاتے ہیں آنٹی۔ لیکن جھوٹ کی بنیاد پہ بنے رشتے کبھی بھی بار آور درخت کی صورت اختیار نہیں کرتے۔ حق مہر کوئی مذاق نہیں ہے۔ جو آپ لوگوں کی بیٹیوں کے ساتھ کرتے پھرتے ہیں۔

یہ اللہ کی طرف سے ایک لڑکی کے لیے انعام ہے۔ ایک لڑکی کی سیکیورٹی ہے۔ جو خدا نے کسی دوسرے ماں باپ کے ہاتھ سے اپنی بیٹی کا ہاتھ کسی دوسرے انسان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے دی ہے۔ کل میرا ہاتھ تھا قیصر، آج کسی اور بیٹی کا ہاتھ ہوگا۔ لیکن آنے والے کل میں یہی ہاتھ تمہاری بیٹی کا ہوگا۔"

ماورا نے کہتے ہوئے قیصر کی گود میں بیٹھی عینا کی طرف اشارہ کیا۔

"ماں باپ کا دل اپنی اولاد کے بارے میں بہت نازک ہوتا ہے۔ اور آپ جیسے لوگ۔"

ماورا رونا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن وہ رو رہی تھی۔ قیصر بولنا چاہتا تھا۔ لیکن نہ جانے کیا بات تھی۔ وہ بول نہیں پا رہا تھا۔

"واہ واہ دکھاوے تعریفوں کے لیے اور بہت سے طریقے ہیں۔ لیکن آپ لوگ تو ہر حد سے ہی گزر گئے۔ ایک بات یاد رکھیے گا۔ جو کچھ آپ لوگوں نے میرے ساتھ کیا ہے۔

وہ میں کسی اور کے ساتھ نہیں ہونے دوں گی۔ آپ لوگوں کو اللہ کی پکڑ سے خوف نہیں آتا۔ لیکن مجھے آتا ہے۔ کل کو ماں باپ کا کیا اولاد کے سامنے آتا ہے۔ اور میں نہیں چاہتی اللہ کے احکامات کا مذاق بنانے کی پاداش میں قیصر کو جو سزا ملے اس میں میری بیٹی بھی حصے دار ہو۔"

ماورا رو رہی تھی۔ بول رہی تھی۔ اور باقی لوگ حیرت کے سمندر سے نکل کر شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر رہے تھے۔ کتنی ہی دیر گزری تھی ماورا کو روتے ہوئے کہ جب اس کے گھٹنے پہ کسی کا ہاتھ آن ٹھہرا تھا۔ روتی ہوئی ماورا نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس کے قریب حقیقہ بیگم بیٹھی ہوئی تھیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہمیں اللہ کی پکڑ سے ڈر نہیں لگتا۔ اپنی واہ واہ کروانے کے لیے میں....."

حقیقہ بیگم کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ اٹکا تھا۔

"پتا نہیں اللہ مجھے اس سوچ اور حرکت پہ

معاف کرتا بھی ہے یا نہیں۔ لیکن میں تم سے معافی مانگتی ہوں بیٹا۔"

عتیقہ بیگم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ماورا کے سامنے جوڑا تھا۔ دنیا کی نظروں سے وہ اس سب کو چھپا گئی تھیں۔ لیکن ان دو سالوں میں کئی بار ان کے ضمیر نے ماروا کے حق مہر پر جھوٹ بولنے، دھوکہ دینے پہ کئی بار ان کی سرزنش کی تھی۔ لیکن عتیقہ بیگم ہر بار کوئی نا کوئی تاویل، یا دلیل دے کر اپنے ضمیر کو سلا دیا کرتی تھیں۔ لیکن آج ان کے ضمیر نے جو لعن طعن کرنا شروع کی تھی یہ اسی کا نتیجہ تھا۔ جو وہ ماورا کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھی تھیں۔

"مجھ سے معافی نہیں مانگیں آنٹی! اللہ سے معافی مانگیں۔ ہمارا رب بہت مہربان ہے اگر ہماری غلطیوں کی سزا ہمیں فوری مل جائے تو شاید ہم ایک دوسرے کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہ رہیں۔ وہ ہمیں ڈھیل دیتا ہے بس اس لیے کہ ہم اپنی غلطیوں کا اعتراف خود کریں اور معافی خود مانگ لیں۔

کچھ غلط کیا ہو۔ ضمیر مطمئن نہیں رہنے دیتا۔ جیسے آپ کے بیٹے کو بھی اس خلش نے دو سال سے سکون سے نہیں رہنے دیا۔"

ماورا نے سر کو اٹھا کر قیصر کی طرف دیکھا۔ قیصر نے اپنا سر شرمندگی سے جھکا لیا تھا۔

"جتنی حیثیت مرد کی ہوتی ہے۔ اتنا ہی حق مہر لکھوایا جاتا ہے۔ وہ حق مہر جس کو ادا کرنے کی ایک مرد میں ہمت ہوتی ہے۔ طاقت ہوتی ہے۔ لیکن آپ سب جانتے تھے آپ نے جان بوجھ کر یہ سب کیا تھا۔

تب ہی تو ہر دو دن کے بعد قیصر مجھ سے یہ پوچھنا نہیں بھولتے تھے کہ میں نے حق مہر معاف کر دیا ناں۔"

ماورا کے لہجے میں عجیب سی کاٹ تھی، تاسف تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ آگے بڑھی اور قیصر کی گود میں بیٹھی عینا کو جھک کر اپنی گود میں اٹھا لیا تھا۔ اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ جب وہ اجتماعی طور پر بیٹھ کر ایسی سازشیں کرتے تھے۔ تو ماورا نے آج انہیں اجتماعی طور پر بیٹھ کر شرمندہ ہونے اللہ سے معافی مانگنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ کمرے میں جانے سے پہلے ماورا نے پلٹ کر ایک نظر ان سب کے چہروں کی طرف دیکھا۔ جہاں شرمندگی تھی۔ ندامت تھی۔ پچھتاوا تھا۔ یعنی توبہ کی گنجائش ابھی باقی تھی اور اگر زندگی میں توبہ کی گنجائش مل جائے تو اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہوگی۔

آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کے ساتھ ماورا کے لب مسکرائے تھے۔ یعنی وہ ابھی مکمل طور پر مردہ ہوئے ضمیروں کے ساتھ نہیں بلکہ زندہ ضمیروں کے ساتھ رہ رہی تھی۔ امید کی کرن ابھی باقی تھی۔ احساس گناہ کے بعد احساس توبہ کا سفر تھا۔ طے ہو سکتا تھا۔ اور یہ بات ماورا کے اطمینان کے لیے کافی تھی۔

ہم لوگ بھی ناں۔ دنیاداری کو نبھانے کے لیے کیا کچھ کر جاتے ہیں۔ لیکن احساس بس چند لوگوں کو ہی ہوتا ہے۔ جیسے عتیقہ بیگم اور ان کی اولاد کو احساس ندامت ہو رہا تھا۔

"امی ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" صبا کی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آواز عتیقہ بیگم کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ تو عتیقہ بیگم نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"ہاں ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" قیصر نے دھیرے سے کہا اور اپنے کمرے کے کی سمت بڑھ گیا۔ سب سے پہلے معافی مانگنے کا حق دار بھی تو وہی تھا۔

☆☆